OPEN ACCESS
ABHATH
(Research Journal of Islamic Studies)
Published by: *Department of Islamic Studies, Lahore Garrison University, Lahore.*

ISSN (Print): 2519-7932
ISSN (Online): 2521-067X
July-December-2025
Vol. 10, Issue: 38
Email: abhaath@lgu.edu.pk
OJS: https://ojs.lgu.edu.pk/index.php/abhath/index

مسائل حج کا تطبیقی و ترجیحی مطالعہ تفسیر النکت کی روشنی میں

Analysis of Matters of Ḥajj in the light of Tafseer al-Nukat

Abdul Basit
Khateeb Jame Masjad HH. Sector phase 4 DHA Lahore:
abdulbasitzaman3@gmail.com
Anees ur Rehman Siddiqui
Lecturer Govt. Post Graduate College, Mirpur. AJK:
8625425@gmail.com

DOI: https://doi.org/10.54692/10.54692/abh.2025.10381786

Abstract:

Tafseer al-Nukat has been written in the context of fiqh by Abu al-Ḥassan bin Muhammad al-Mawardī. This article aims at the discussion about the Matters of Ḥajj that are common for the person who perform it. The study is analytical and descriptive. Examples from the book of al-Mawardī have been taken and discussed in the light of Qurān, Sunnah and jurisprudence. Al-Mawardī has given preference to some of the jurisprudential matters with arguments. Qurān and sunah of the holy prophet have been used as main sources to make it more authentic and reasonable. Moreover the opinions of old and contemporary jurists have been also analyzed and discussed about the matter under discussion. It can be concluded that al-Mawardī has discussed and presented view point of the some of exegesis of his era and discussed the matters in Islamic perspective.

Keywords: Tafseer al-Nukat, Abu al-Ḥassan bin Muhammad al-Mawardī, Ḥajj

علامہ ماوردی کا نام علی بن محمد بن حبیب البصری الماوردی الشافعی ہے۔ لقب آپ کا قاضی القضاۃ ۴۲۹ ہے ھ میں ملا اور ماوردی (ماءالورد۔ گلاب کے پانی کا اجداد کام کرتے تھے اسوجہ سے کہتے ہیں)۔[1] شمار فقہائے شوافع میں ہوتا ہے۔ کنیت ابوالحسن ہے۔[2] آپ نے علمی ذوق و محبت کرنے والے خاندان میں پرورش پائی۔ ۳۶۴ھ میں بصرہ میں پیدا ہوئے۔ آپ چوتھی صدی کے مفسر اور علمی شخصیت کے طور پر پہچانے جاتے ہیں، اور قضا کے منصب پر عباسی دور میں فائز رہے۔ اور آپ نے کئی کتب تحریر فرمائیں اور آپ کے شاگردوں میں خطیبِ بغدادی جیسی شخصیت ہیں اور سیاست میں الاحکام السلطانیہ اہم ترین کتاب ہے آپ کی۔ اس تفسیر النکت والعیون جو آپ کی علمی صلاحیت کا بولتا ثبوت ہے بڑے بڑے کبارِ علم ابن کثیر جیسے آپ کے تفسیر سے استفادہ کرتے ہیں۔

امام ماوردیؒ کی تفسیر النکت والعیون (متوفی ۴۵۰ھ) مکمل قرآن کی تفسیر ہے۔ سب سے پہلے ۱۴۰۶ھ میں باقاعدہ اوقاف کویت کی جانب سے اشاعت کی گئی، اس پر تحقیقی و تخریجی کام ہوئے ہیں۔ میرے پاس دارالکتب العلمیہ بیروت کا نسخہ ہے جو کہ چھ جلدوں میں ہے۔ جس پر سید بن عبدالمقصود کی تعلیق ہے، یہ تفسیر اہل علم کے ہاں بے حد مقبول ہے اور اس کا شمار متقدمین کی تفسیر میں ہوتا ہے۔ تفسیر طبری کے بعد معروف یہ تفسیر ہوئی اور نامور مفسرین اپنی تفاسیر میں ان کے حوالہ جات پیش کرتے ہیں۔ علامہ ابن کثیر اپنی تفسیر میں، ابن جوزی زادالمسیر میں، ابن تیمیہ اپنی تفسیر میں اور تفسیر قرطبیؒ میں بھی علامہ ماوردی کے تفسیری اقوال نقل کیے گئے ہیں۔[3]

دین اسلام کے بنیادی ارکان میں حج ایک انتہائی اہم مالی اور بدنی عبادت ہے زندگی میں ایک مرتبہ صاحب حیثیت پر لازم ہے اور نہ کرنے پر بہت وعید ہے قرآن پاک میں سورہ بقرہ میں علامہ ماوردی نے آیت نمبر 193 سے 203 تک مسائل حج بیان فرمائے ہیں ہیں ان آیات کے تحت مفسرین کے اقوال نقل فرمائے ہیں تو اس فصل میں ان کا تطبیقی اور ترجیحی مطالعہ پیش کیا جائے گا۔

---

[1] ابو بکر احمد بن ثابت بن احمد الخطیب البغدادی، تاریخ بغداد، دار المغرب الاسلامی، بیروت، ج۱۳، ص۸۷۳

Abu Bakar Aḥmad bin Thabat bin Aḥmad alKhateeb Baghdadī, Tareekh e Baghdad, Dar ul Maghrab al-iIslamī, Beruit, 13/873

[2] عبدالکریم ابن منصور التیمی، السمعانی، الانساب؛ مجلس دار المعارف العثمانیہ، حیدر آباد، ج۱۲، ص۲۰

Abdul Kareem bin Mansoor alteemī, asamanī, Al-Ansab, Mjlas dar almarif al-Usmania, Haidarabad 12/20

[3] الدکتورا، برر محمد،، منہج الماوردی، مقالہ (۱۴۰۶ھ)، جامعہ ام القریٰ

Dr. Barar Muḥammad, Manhaj al-Mawardī, Thesis 1406, Jamia Umm al- Qura

حج کی فرضیت کس پر ہے؟

وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا [4]

اس آیت کے تحت علامہ ماوردیؒ نے استطاعت جو کہ حج کے لیے لازم ہے اس کی تفصیل کو بیان کو فرمایا ہے:

استطاعت میں تین قول ہیں:

مال زادراہ توشہ کی استطاعت یہ امام شافعیؒ کی رائے ہے۔

بدن کی استطاعت مراد ہے یہ امام مالکؒ کی رائے ہے

مال اور بدن کی طاقت حج کرنے والے میں ہو یہ امام اعظمؒ کی رائے ہے۔[5]

تحقیق

دراصل حج کس پر واجب ہے ایک ہے شرائط صحت مسلم ہونا جس پر اتفاق ہے ابن رشدؒ فرماتے ہیں بچے کے حج کے حوالے سے ائمہ میں اختلاف ہے امام مالک اور امام شافعیؒ نے بچے کے حج کو جائز بتایا ہے۔ براہ راست استطاعت کے سلسلہ میں کوئی اختلاف نہیں امن کے ساتھ مال اور بدن کی استطاعت شامل ہے پھر بدن اور مال کی استطاعت کی وجہ سے فقہاء میں اختلاف ہوا۔ائمہ ثلاثہ امام ابو حنیفہ اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں شرائط میں الزاد والراحلۃ ہے۔امام مالکؒ فرماتے ہیں جو پیدل چلنے کی طاقت رکھے اس پر حج ہے سواری زادراہ شرط نہیں امام ماوردیؒ نے امام مالکؒ کی رائے بدن کی طاقت شرط قرار دی ہے۔

سبب اختلاف حدیث ہے

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں: استطاعت کی تشریح نبی ﷺ نے الزاد والراحلۃ سواری قرار دی ہے،امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک مکلف مراد ہے امام مالکؒ نے اس پر محمول کیا ہے جو پیدل نہ چل سکتا ہو بہر حال ترجیح

4 القرآن، سورۃ آل عمران ۳: ۱۹۷۔
Al-Qurān, Aal e Imran, 3/197

5 أبو الحسن علي بن محمد بن محمد الماوردی، **النكت والعيون**، 411/1.
Abul Ḥassan Ali bin Muḥammad bin Muḥammad al-Mawardī, Al-Nukat wal Uyun, 1/411

امام اعظمؒ کی رائے کو ہے۔ امام اعظمؒ کا قول امام ماوردیؒ نے مالی اور اور بدنی طاقت کا لفظ بول کر ذکر کیا ہے اور حدیث میں الزاد والراحۃ سے مراد مالی طاقت ہے اور بدنی طاقت جب استطاعت کا لفظ بولا جائے در حقیقت عقلاً بدنی جانی صحت ہونا اس کی طرف ہی ذہن جاتا ہے۔ امام ابو بکرؒ جصاص فرماتے ہیں استطاعت زاد راحلہ پر منحصر نہیں اس لیے کہ مریض اور شیخ جو راحلہ پر قادر نہ ہو جو استطاعت نہ رکھے پہنچنے کی حج کے لیے تو وہ قادر شمار نہیں ہو گا اگرچہ زاد اور راحلہ توشہ سواری اس کے پاس ہو۔[6] اور یہ حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے الاستطاعۃ کو صرف الزاد والراحلہ پر منحصر کر دیا ہے بلکہ تمام شرائط جو استطاعت کے حوالے سے ہوں جانی مالی صحت اور حاکم وقت کی طرف سے رکاوٹ نہ ہو: البتہ امام ابو بکر الجصاص اس کو رد کرتے ہیں جو امام مالکؒ نے پیدل چلنے کی شرط قرار دی ہے فرماتے ہیں کیونکہ حدیث میں رکوب کا ذکر ہے نہ کہ پیدل چلنے کا۔ اور یہ امام مالکؒ کا قول ما قبل بدایۃ المجتہد کے حوالے سے گزرا اور آج اگر کوئی چل نہ سکتا ہو وہ وہیل چیئر اور محتاجوں کے لیے معاونین ہوتے ہیں ان کو لے جا کر حج کر سکتا ہے۔

علامہ طبریؒ کی رائے

علامہ طبریؒ نے اس حوالے سے ترجیح دی ہے اس بات کو کہ اتنی طاقت ہو کہ راستہ امن والا ہو، کوئی مانع نہ ہو کسی بھی طرح اس پر حج لازم ہے۔ اور اگر راہ نہ پائے اور استطاعت نہ ہو کیونکہ قدرت جو کہ لازمی ہے، جانی و مالی ہر اعتبار سے تو ہو ورنہ غیر قادر شمار ہو گا۔[7]

خلاصۂ کلام

یہ کہ اسلام عاقل بالغ استطاعت اور محرم کے ساتھ جانا یہ وجوب حج کے شرائط ہیں بعض نے راستے کا امن شرط قرار دیا ہے حالانکہ آیت مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا جس کی تشریح زاد راحلہ سے واضح ہے اور حدیث ہے:

---

6 ابن رشد المالکی، **بداية المجتهد**، 429/1.

Ibn e Rushad Malkī, Bidayat al-Mujtahid, 1/429

7 ابوجعفر الطبری، **جامع البيان في تأويل القرآن**، 618/5.

Abu Jafar al-Tabrī, Jame al-Bayan fī Taweel al-Qurān,5/618

(مَنْ مَلَكَ زَادًا وَرَاحِلَةً تُبَلِّغُهُ إِلَى بَيْتِ اللهِ وَلَمْ يَحُجَّ فَلاَ عَلَيْهِ أَنْ يَمُوتَ يَهُودِيًّا، أَوْ نَصْرَانِيًّا)[8]. اس میں توشہ سواری کا ذکر ہے اور محرم کا ساتھ ہونا عورت کے وہ بھی حدیث کی وجہ سے ہے شرط کوئی عورت شرعی مسافت کے لیے سفر بغیر محرم کے نہ جائے اگر اللہ اور یوم آخرت پر یقین رکھتی ہے۔[9]

بیت اللہ مقام امن ہے اور اگر قاتل آجائے جرم کرکے آجائے کیا احکامات ہیں، فرمایا:

وَ مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا[10]۔ ''اور جو اس گھر میں داخل ہو وہ امن پا گیا۔''

امن کس اعتبار سے ہے؟

علامہ ماوردیؒ فرماتے ہیں یہ جاہلیت عرب کی بات ہے مجرم قاتل بیت اللہ میں آجاتا امن میں آجاتا، البتہ اسلام کے آنے کے بعد امن کا مطلب جو اس میں داخل ہوا وہ آگ سے محفوظ ہوا۔ یہ قول یحییٰ بن جعدہ کا ہے دوسرا قول ہے وہ قتال سے امن میں آگیا البتہ جانی جنایت کرنے والا اگر اس میں داخل ہو گیا تو امام شافعیؒ فرماتے ہیں اس پر حد قائم کی جائے گی۔[11]

اس میں کونسا امن مراد ہے؟

احتمالات میں سے ایک یہ ہے کہ جہنم کی آگ سے لیکن دوسرا قول جو کہ اکثر علماء کی رائے ہے اس سے دور جاہلیت میں جو شخص اس میں داخل ہوتا وہ قتل کیے جانے اور غارت گری سے محفوظ رہتا اور جو دور اسلام میں اس میں آجاتا وہ حدود قصاص سے امن میں آجاتا جو کہ احناف کی رائے ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں ایسے کو حرم میں قتل کیا جائے

---

[8]محمد بن عيسى بن سَوْرة، الترمذي، **سنن الترمذى**، أبواب الحج، باب ما جاء في الغليظ في ترك الحج، رقم الحديث: 812.

Muḥammad bin Isa bin Suara alTirmazī, Abwab al Ḥajj, Bab Ma Jaa fil Ghaleez fi Tark al-Ḥaj, Ḥadith No 812

[9]محمد علي الصابوني، **روائع البيان تفسير آيات الأحكام** ، 414/1.

Muḥammad Ali Sabooni, Rawaih albian tafseer Ayat al-Aḥkām,1/414

[10]القرآن، سورۃ آل عمران ۳: ۹۷۔

Al Qurān, 3/97

[11] أبو الحسن علي بن محمد بن محمد بن حبيب البصري الماوردى، **النكت والعيون**، 411/1.

Abul Ḥassan Ali bin Muḥammad bin Muḥammad al-Mawardī, Al-Nukat wal Uyun, 1/411

گا۔امام ابو بکر جصاصؒ فرماتے ہیں یہ آیت صورتاً خبر ہے اور معناً امر ہے، عین حرم میں قتل کرنے سے روک دیا گیا البتہ مجبور کریں گے کہ وہ حرم سے باہر نکلے اور خرید و فروخت نہ کریں گے اور کھانا پینا نہ دیں گے کہ وہ مجبور ہو کر حرم سے باہر آجائے پھر قصاص یا حد نافذ کی جائے گی امام شافعیؒ کے ہاں حرم میں تمام صورتوں میں قصاص لیا جائے گا۔[12]

احناف کے دلائل

ابن جریر طبریؒ فرماتے ہیں حضرت مجاہدؒ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں جو ایسا جرم کرے جس پر حد لگتی ہو مثلاً قتل یا چوری پھر حرم میں داخل ہو اس سے بیع نہ کی جائے نہ پناہ دی جائے وہ حرم سے باہر آئے حد قائم کی جائے۔ کیونکہ حرم شدت کو زیادہ کرتا ہے حضرت عکرمہ حضرت ابن عباسؓ سے نقل فرماتے ہیں جس نے جرم کر کے بیت اللہ میں پناہ لی وہ مامون ہے اور مسلمانوں کو جائز نہیں کہ اس کو کسی چیز پر سزا دیں وہ حرم سے باہر نکل کر آئے اس پر حد قائم کی جائے عطاء بیان کرتے ہیں حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا اگر میں حضرت عمرؓ کے قاتل کو دیکھوں حرم میں کچھ نہ کہوں گا۔[13] یہ تمام دلائل ابو حنیفہؒ کے قول کی واضح دلیل ہیں یہی آیت کریمہ وَ مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا سے واضح سمجھ آتا ہے۔اور اسی کو علامہ طبریؒ نے راجح قرار دیا ہے۔

ائمہ ثلاثہ کی تاویل

اس آیت کی تاویل یہ کرتے ہیں جو دشمن حرم میں داخل ہوا وہ آخرت کے عذاب سے مامون ہوا اور امام رازیؒ نے ایک تاویل یہ کی جو نبی ﷺ کے ساتھ عمرۃ القضاء ادا کرنے کے لیے جائے گا وہ مامون ہو گا جبکہ ابو بکر جصاصؒ ایک یہ توضیح فرماتے ہیں آیت کو خبر پر محمول کریں معنی ہو گا جو شخص بھی حرم داخل ہوا وہ مامون ہو گیا حالانکہ مشاہدہ اس کے بر خلاف ہے کیونکہ کئی لوگ حرم میں داخل ہوتے ہیں مار دیے جاتے ہیں جیسے تاریخ میں ہے کہ اس طرح بیت اللہ میں ہوتا رہا۔اس لیے یہ خبر امر کے معنی میں ہے یعنی ہم کو حکم دیا گیا ہے جو حرم میں داخل ہو اس کو مامون رکھو، اگر

---

12 ابوبکر جصاص، **احکام القرآن**، 21/2.

Abu Bakar al-Jassas, Aḥkām ul Qurān,2/21

13 ابوجعفر الطبری، **جامع البيان في تأويل القرآن**، 10/4.

Abu Jafar al-Tabarī, Jam e ul Bian fi Taweel al Qurān, 4/10

وہ جرم کر کے آیا ہے تو اس پر حد جاری نہ رکھو اس لحاظ سے آیت کا واقع کے خلاف ہونا لازم نہیں آتا۔اور اگر امام رازی کی تاویل کے مطابق یہ کہا جائے جو شخص حرم میں داخل ہوا وہ آخرت میں عذاب سے مامون ہوا تو اس پر اعتراض ہے بعض گناہ گار مسلمان یا بعض منافقین حرم میں داخل ہونے کے باوجود عذاب سے مامون نہیں رہے اور جو بد عقیدہ گمراہ لوگ حرم میں رہے ہیں وہ بھی عذاب سے مامون نہیں رہیں گے اور جو حج کرنے کے بعد مرتد ہوا وہ بھی آیت حقیقت میں امر ہے اور بظاہر خبر ہے۔

امام شافعیؒ کے دلائل

اگر کوئی جرم کر کے حرم آ جائیں وہیں اس کو قتل کریں برابر ہے جنایت اعضاء اطراف میں ہو یا قتل کیا ہو کیونکہ نبی ﷺ نے بعض مشرکین کو قتل کا حکم دیا ابن خطل وغیرہ اگرچہ کعبہ کے پردے سے لٹکے ہوں مار وا گرچہ یہ نبی ﷺ کی خصوصیت تھی۔ان حضرات کو جن کے قتل کا حکم تھا انھوں نے اسلام کی ممانعت میں کوئی حد نہیں چھوڑی تھی۔

سبب اختلاف

اہل اصول فرماتے ہیں: وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا اپنے عموم پر باقی ہے لہٰذا یہ قطعی ہے امام شافعیؒ کے ہاں عام مخصوص منہ البعض ہے بلکہ بعض افراد اس سے خارج ہیں وضاحت اس کی یہ ہے کہ وہ شخص جس پر قصاص فی الطرف لازم ہے مثلاً ہاتھ کاٹنا ایسا شخص جب داخل ہو پناہ لے لے اسے بیت اللہ میں قصاص لیا جائے گا یونہی وہ شخص بھی جس نے غیر حرم میں جنایت کی اسے بھی بالاتفاق قتل کیا جائے گا یہ دو صورتیں مخصوص ہیں اس کے بعد انھی دو صورتوں پر قیاس کرتے ہوئے فرمایا جو شخص غیر حرم میں ایسی جنایت کرتا ہے جس کی بدولت وہ قتل کیے جانے کا مستحق ہے یہ شخص اگر حرم میں پناہ لیتا ہے اسے قتل کیا جائے گا اور استدلال کیا ہے خبر واحد سے کہ ابن خطل کی بابت نبی ﷺ نے قتل کا حکم دیا پوچھا کہ وہ کعبہ کے پردے سے لپٹا ہے فرمایا قتل کر دو، دراصل اس کا جواب یہ دیا گیا ہے:

دونوں صورتیں آیت کے عموم سے مخصوص نہیں کیونکہ نص قرآن ان دونوں نص کو شامل نہیں۔اور مخصوص وہ ہوتا ہے جس کو پہلے عموم میں داخل مانا جائے پھر خاص کیا جائے اور عموم سے الگ کیا جائے اور شامل نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ نص مذکورہ کا مفہوم ہے کہ جو شخص غیر حرم میں جنایت کا ارتکاب کرے اور حرم میں پناہ

لیتا ہے اس کی ذات امن میں ہو جائے گی لیکن وہ شخص جو حدود میں جنایت کرے یا عین حرم جنایت کی وہ مفہوم نص میں شامل نہیں اسی طرح اطراف میں جنایات کرے تو حکم ہے لہٰذا پہلی صورت اگرچہ وہ شخص جنایت کر کے حرم آ گیا لیکن اس کی ذات اب بھی محفوظ ہے کیونکہ قصاص جو اطراف میں ہو گا اور طرف کا حکم وہی ہے جو مال کا ہے اور نص اس کو شامل نہیں کیونکہ وہ طرف کے اعتبار سے امن میں ہے اور دوسری صورت میں اس لیے قتل ہو گا وہ جنایت کر کے حرم داخل نہیں ہوا بلکہ وہ داخل حرم پہلے ہوا اور داخل ہونے کے بعد حدود حرم میں جنایت کا ارتکاب کیا۔ لہٰذا جب یہ دونوں صورتیں مخصوص نہیں کی گئی تو وہ صورت جس پر امام شافعیؒ نے قیاس کیا ہے وہ اس کی زیادہ مستحق ہیں نص کے اقتضاء پر باقی رکھا جائے۔[14]

ترجیح

اس مسئلہ میں ترجیح امام شافعیؒ کے قول کو ہو گی۔ وجہ ترجیح یہ ہے کہ حرم میں حد جاری کرنا اگر چھوڑ دیا جائے تو وہ مرکز جرم بن جائے گا اور امن کو تہہ و بالا ہو جائے گا کہ قاتل قتل کرے گا پھر وطن سے بھاگ کر حرم میں آئے گا اسے معلوم ہو گا حرم اسے پناہ دے گا ایسے جرم پھیلیں گے اور فساد زیادہ ہو گا۔ باہر سے جرم کر کے حرم میں آئے اس کو مجبور کریں گے وہ حرم سے باہر نکلے اور اس پر حد یا قصاص جاری ہو اور حرم کا تقدس پامال نہ ہو جیسے امام شافعیؒ کی رائے ہے۔

حج و عمرہ مکمل کرو

جو بھی عبادت کرے اس کو مکمل کرنا چاہیے مگر حج عمرہ میں اکثر اس حوالے سے سستی ہوتی ہے دم لازم ہو جاتا ہے احتیاط نہیں کرتے اس لیے اس کے مکمل کرنے کا حکم دیا فرمایا

وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ[15] ''اور مکمل کرو حج اور عمرہ۔''

---

[14] ملا احمد جیون، ''تفسیرات احمدیہ''، ۳۰۳۔

Mulla Aḥmad Jeewan, Tafseerat e Aḥmadia, 303

[15] سورۃ البقرہ ۲: ۱۹۶۔

Al-Qurān, 2:196

علامہ ماوردیؒ نے اس آیت میں کئی اقوال حج و عمرہ کی تکمیل کے حوالے سے ذکر فرمائے ہیں:

مناسک اور سنتوں کا خیال کرتے ہوئے حج مکمل کرو یعنی اس کے حدود کی پاسداری یہ مجاہد اور علقمہؒ کا قول ہے۔اس کی تکمیل یہ ہے کہ گھر سے احرام باندھ کر جائیں یہ طاؤس کا قول ہے۔ عمرہ حج کے ماہ کے علاوہ کیا جائے اور حج تمام مناسک کی رعایت کرتے ہوئے بجالائے کوئی دم نہ دینے پڑ جائے یہ حضرت قتادہؒ کی رائے ہے۔اپنے گھر سے احرام کی حالت میں نکلے اور اپنی نیت حج کی ہو نہ کہ تجارت کی یہ سفیان ثوری کی رائے ہے۔ان کی تکمیل ان کے احرم کے ساتھ داخل ہونے سے لازم ہوتی ہے یہ امام شعبیؒ کی رائے ہے۔[16]

تحقیق

تکمیل حج اور عمرہ کا مطلب تمام آداب کی رعایت کرتے ہوئے ادا کرنا یہ اقوال تقریباً سب تکمیل حج و عمرہ کے متقاضی ہیں۔حج میں تین باتیں فرض ہیں:

۱-احرام ۲-وقوف عرفہ ۳-طواف زیارت ان کو مکمل ادا کرنے کا حکم ہے۔

واجبات

وقوف مزدلفہ، سعی صفا اور مروہ کی، رمی الجمرات، آفاقی کے لیے طواف وداع اور حلق کروانا۔ باقی سنن وآداب ہیں۔ غرض آیت کا مطلوب تمام آداب و حدود کی ہر اعتبار سے رعایت کرنا ہے۔[17]

ترجیح

تفسیری طبری میں ہے جو تکمیل حج و عمرہ کی واضح تشریح ہے اور تمام قول کو جامع ہے کہ حج و عمرہ بجالاؤ اس کے حدود و قیود کے مطابق جس طرح اس کے حوالے سے تعلیمات ہیں۔آداب کے اعتبار سے اور فرائض کی رعایت کرتے ہوئے جو اس حوالے سے ضروری ہیں کہ کوئی ایک چیز نہ رہ جائے۔[18] ابن العربیؒ فرماتے ہیں:

---

16 أبو الحسن علي بن محمد بن حبيب البصري الماوردی، **النكت والعيون**، 254/1.
Abul Ḥassan Ali bin Muḥammad bin Muḥammad al-Mawardī, Al-Nukat wal Uyun, 1/254

17 ملا احمد جیون، ''تفسیر المنار''، ۱/۱۵۷۔

Mulla Aḥmad Jeewan, Tafseer al-Minar, 157

"حَقِيْقَةُ الْاِتْمَامِ لِلشَّيئِ اِسْتِيْفَائُه بِجَمِيْعِ اَجْزَائِهِ وَشُرُوطِهِ وَحِفْظِهِ مِنْ مُّفْسِدَاتِهِ وَكلُّ الْاَقْوَالِ فِي مَعنَى الآيَة."[19]

کسی شے کی تکمیل سے مراد اس کے تمام شرائط واجزاء کے اعتبار سے مکمل کرنا ہے۔ اس کو مفسدات سے محفوظ رکھنا ہے اور تمام اقوال کا آیت کے معنی میں احتمالات ہیں۔

خلاصہ کلام

تکمیل تب ہی ممکن ہے جب تشنگی آداب میں نہ ہو ہر اعتبار سے جس کی طرف ابن العربیؒ نے اشارہ کیا ہے کے تمام شرائط کے ساتھ مکمل کرنا مفسدات سے محفوظ ہو،

سعی کا حکم

عمرہ کے واجبات میں سے ہے سعی کرنا اگر ترک کردیں دم لازم ہے:

اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا وَ مَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ[20]

"بے شک صفا و مروہ شعائراللہ میں سے ہیں، پس جو حج یا عمرہ کرے بیت اللہ کا، پس کوئی گناہ نہیں اس پر جو ان کے مابین سعی کرے...."

امام ماوردیؒ فرماتے ہیں: صفا و مروہ کے مابین سعی کے بارے میں رفع الجناح فرمایا اس سے معلوم ہوا یہ مباح سے ہے واجب نہیں وجہ ہے کہ بعض احناف کے ہاں سعی واجب نہیں ہے جب کے تحقیقی قول وجوب سعی کا ہے: شوافع اور مالکیہ کے ہاں وجوب سعی کا قول نہیں ہے۔ فلا جناح میں اباحت کی دلیل نہیں۔ اس لیے کہ یہ سبب کے طور پر ذکر کیا گیا ہے کہ صفاء پر دور جاہلیت میں اساف نامی بت اور مروہ پر نائلہ نامی بت تھا۔ لوگ تعظیماً اُن کا طواف کرتے،

---

18 ابوجعفر الطبری، **جامع البيان في تأويل القرآن**، 235/3.

Abu Jafar Tabarī, Jam e ul Bayan fī Taweel al-Qurān, 3/235

19 ابو بکر ابن العربی، **احکام القرآن**، ۱/168.

Abu Bakar Ibn al-Arabī, Aḥkām ul Qurān, 1/168

20 سوۃالبقرہ۲: ۱۵۸۔

Al-Qurān, 2:158

اسلام آیا تو سعی کرتے ہوئے مکروہ جانا کہ جاہلیت میں بت تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مباح قرار دیا کہ اسلام میں نیت وہ نہیں جو جاہلیت میں تھی اور ابن مسعودؓ کی قراءت ہے جو احناف کا مستدل ہے: فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا

جواب قراءت ابن مسعودؓ

امام ماوردیؒ نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ سعی کے وجوب کے سقوط کے لیے یہ حجت نہیں۔ لام کی مثال ایسی ہے جیسے آیت کریمہ ہے: مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ[21] يعنى مامنعك ان تسجد۔[22] کہ کس چیز نے سجدے سے روکا۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اس کے وجوب میں اختلاف ہے۔ ابن العربیؒ فرماتے ہیں:

ارکان الحج میں سے ہے اس کا حج باطل جس نے اس کو ترک کیا۔ یہ امام مالکؒ اور شوافعؒ کی رائے ہے اور امام احمدؒ کی ایک روایت یہی ہے۔ یہ واجب ہے کہ رکن نہیں تدارک دم سے ہوگا۔ یہ احناف کا قول ہے۔ تیسری رائے سنت ہے اس کے ترک پر کوئی شی لازم نہیں۔ یہ امام احمدؒ کا قول ہے۔[23]

پہلی رائے کے حاملین شوافع کی دلیل حدیث پاک ہے: ((اسْعَوْا، فَإِنَّ اللهَ كَتَبَ عَلَيْكُمُ السَّعْيَ))[24]۔

اس روایت کو امام دار قطنی صحیح قرار دیا ہے۔ دوسری دلیل حجۃ الوداع کے موقع پر نبی ﷺ نے صفاء سے سعی کی ابتداء کی اور فرمایا: ((أَبْدَأُ بِمَا بَدَأَ اللهُ بِهِ))[25]. سات چکر مکمل کیے اور فرمایا: ((لِتَأْخُذُوا عَنِّي

---

21 القرآن، سورۃ الاعراف ۷: ۱۲۔

Al-Qurān, 7:12

22 أبو الحسن علي بن محمد بن محمد بن حبيب البصري الماوردى، **النكت والعيون**، 213/1.

Abul Ḥassan Ali bin Muḥammad bin Muḥammad al-Mawardī, Al-Nukat wal Uyun, 1/213

23 ابو بكر ابن العربى، **احكام القرآن**، 170/1.

Abu Bakar Ibn al-Arabī, Aḥkām ul Qurān, 1/170

24 أحمد بن محمد بن حنبل، **مسند الإمام أحمد بن حنبل**، مسند القبائل، رقم الحديث: 27363.

Aḥmad bin Muḥammad bin Hanbal, Musnad al-Imam Aḥmad bin Hanbal, Masnad alQabail, Ḥadith no 27363

25 مسلم بن الحجاج القشيري، **صحيح مسلم**، كتاب الحج، باب حجة النبي صلى الله عليه وسلم، رقم الحديث: 1218.

Muslim bin Ḥajjaj alQashirī, Sahih Muslim, Kitab al-Ḥajj, Bab Ḥajjat al-Nabi, Ḥadith no 1218

مَنَاسِكَكُمْ))[26]. یہاں دونوں روایتوں میں امر وجوب کا متقاضی ہے۔ پس یہ سعی کے حج کے رکن ہونے پر دلالت کرتا ہے اور سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی روایت ہے:

((فَلَعَمْرِي، مَا أَتَمَّ اللهُ حَجَّ مَنْ لَمْ يَطُفْ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ))[27]

''میری عمر کی قسم اللہ اس کا حج مکمل نہ فرمائے گا جو صفاو مروہ کے مابین سعی نہ کرے''۔

تحقیق

یہ سعی واجب ہے رکن نہیں ہے۔آیت میں (رفع الاثم) حرج کی دوری اس پر سے ہے جو کہ سعی کرے تو رفع الجناح رکن پر دلالت نہیں کرتا۔البتہ نبی ﷺ نے عملاً کیا تو واجب ہے۔ یہ وقوف مزدلفہ کی طرح لازم ہے، ترک پر دم ہوگا، عمرہ حج میں دم رمی الجمرات اور طواف صدر کے ترک پر ہوتا ہے۔ دوسری روایت ہے، امام شعبیؒ عروہ بن مضر سے ایک شخص نے رسول اکرم ﷺ سے عرض کی: (جب آپ مزدلفہ میں تھے) یارسول اللہ ﷺ میں جبل طی سے آیا ہوں میں نے کوئی وادی پہاڑ نہیں چھوڑا، مگر میں نے وقوف کیا۔اس میں کیا میرے لیے حج ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ صَلَّى مَعَنَا هَذِهِ الصَّلَاةَ فِي هَذَا الْمَكَانِ، ثُمَّ وَقَفَ مَعَنَا هَذَا الْمَوْقِفَ حَتَّى يُفِيضَ الْإِمَامُ، أَفَاضَ قَبْلَ ذَلِكَ مِنْ عَرَفَاتٍ لَيْلًا، أَوْ نَهَارًا، فَقَدْ تَمَّ حَجُّهُ))[28]

''جس نے ہمارے ساتھ نماز پڑھی ہمارے ساتھ یہاں پڑاؤ کیا، تحقیق اس نے عرفہ پایا اس کا حج مکمل ہوا۔''[29]

---

[26] ابن قدامه، **المغني**، كتاب الحج، باب بيان أن السعي بين الصفا و المروة ركن لا يصح الحج إلا به، 347/3.
Ibn e Qudama,Al Mughnī, Kitab al-Ḥajj, Bab Bian anna al-Sa'ya bain alsafa wal marwat rukan la 3/ 347

[27] ابن قدامه، **المغني**، كتاب الحج، باب بيان أن السعي بين الصفا و المروة ركن لا يصح الحج إلا به، رقم الحديث: 1277.
Ibn e Qudama,Al Mughni, Kitab al-Ḥajj, Bab Bian anna al-Sa'ya bain alsafa wal marwat rukan la..Ḥadith 1277

[28] أحمد بن محمد بن حنبل، **مسند الإمام أحمد بن حنبل**، رقم الحديث: 18301.
Aḥmad bin Muḥammad bin Hanbal, Musnad al-Imam Aḥmad bin Hanbal, Masnad alQabail, Ḥadith no 18301

[29] ابو بكر جصاص، **احكام القرآن**، 111/1.
Abu Bakar Ibn al-Arabī, Aḥkām ul Qurān, 1/111

وجہ استدلال

دو طرح سے ہے۔ اگر واجب ہوتی بطور رکن اس حدیث میں سعی کا ذکر ہوتا۔امام احمدؒ ومن تطوع خیراً سے استدلال کرتے ہیں وہ یہ کہ تطوع دلیل ہے مستحب و سنت کی نہ کہ واجب کی اور رکن کی اور جس نے ترک کیا اس پر کچھ نہیں ظاہر آیت اسی طرف اشارہ کرتی ہے۔ابن جوزیؒ فرماتے ہیں امام احمدؒ سے ایک روایت ہے سعی کا ترک مناسب نہیں اور ایک قول یہ ہے کہ اس کے ترک پر دم نہیں۔

ترجیح

صاحب المغنی نے مذہب ثانی احناف کے قول کو ترجیح دی ہے اور فرمایا وہ اولیٰ ہے۔ کیونکہ جنھوں نے اس کے رکن کا قول اختیار کیا ہے ان کی دلیل مطلق وجوب پر دلالت کرتی ہے۔ اگر ترک ہو تو تدارک دم سے ہوگا۔ کیونکہ عملاً نبیﷺ نے سعی کی اور حکماً فرمایا: ((لِتَأْخُذُوا عَنِّي مَنَاسِكَكُمْ))[30] اور اقتدیٰ فعل رسولﷺ کی لازم ہے۔[31] امام طبریؒ فرماتے ہیں: فمن تطوع خیراً سے نفلی حج وعمرہ مراد ہے۔ حضرت عائشہؓ والی روایت کی جمہور صحابہؓ نے مخالفت کی ہے اور اسے نفی کمال پر محمول کیا ہے۔[32]

تطبیق

اس طرح سے ہوگی کہ وجوب کا حکم ہو سعی پر کیونکہ رکن وقوف عرفہ اور طواف زیارت ہیں اور عملاً سعی نبیﷺ نے فرمائی اور رکن دلیل قطعی سے ثابت ہوتا ہے۔ ترک پر تدارک دم سے ہوگا اور جو سنت کے قائل ہیں تو علامہ ابن جوزیؒ فرماتے ہیں امام احمدؒ سے سعی کی بابت مختلف اقوال معروف ہیں۔ایک قول ہے: من ترك السعی لم یجزه حجه. ترک سعی پر اس کا حج جائز نہیں ہے ناقص ہے۔ ہم نے کہا اس کا تدارک دم سے ہوگا۔

---

30 ابن قدامه، **المغني**، 347/3.

Ibn e Qudama,Al Mughnī,

31 ابو الفرج جمال الدین عبد الرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی، **زادا لمسیر**، 164/11.

Abul-Farj Jamal aldin abdurehman bin Ali bin Muḥammad al-Jouzi, Zad al Maseer, 11/164

32 محمد علي الصابوني، **روائع البيان تفسير آيات الأحكام**، 141/1

Muḥammad Ali Sabooni, Rawaih al Bayan Tafseer Ayat al Aḥkām, 1/ 141

خلاصۂ کلام

امام احمدؒ کے ہاں سعی بین الصفا والمروہ سنت ہے۔ کیونکہ آیت میں اباحت کا مفہوم سمجھ آتا ہے اور سنت فعل نبی ﷺ سے ثابت ہوتی ہے تو جانب وقوع کی ترجیح حضور ﷺ کے فعل سے ہوئی۔ اور شوافع کے ہاں رکن ہے ایک تو ارشاد رسول ﷺ کی وجہ سے: ((اسْعَوْا، فَإِنَّ اللهَ كَتَبَ عَلَيْكُمُ السَّعْيَ))[33]. صیغہ امر ہے احناف کے ہاں واجب ہے نبی کریم ﷺ کے دوام اور اصحاب نبی ﷺ کے دوام اختیار کرنے کی وجہ سے، لیکن ترجیح عملِ نبی ﷺ کو ہے۔ جو رکن کے قائل ہیں ان کے قول کو ترجیح حاصل نہیں۔ کیونکہ رکن کے لیے دلیل قطعی سے ثبوت ضروری ہے، یہ خبر واحد ہے[34]((اسْعَوْا، فَإِنَّ اللهَ كَتَبَ عَلَيْكُمُ السَّعْيَ)) رکن کے ثبوت کے لیے دلیل قطعی ہو۔

کن اعذار کی وجہ سے وہ حج پر نہیں جا سکتا

جو حج پر عذر کی وجہ سے نہ جا سکے یہ روک دیا جائے بیماری دشمن کی وجہ سے تو کیا حکم ہے اور اہل علم کی کیا رائے ہے اس حوالے سے فرمایا:

فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ [35]

''پس اگر تم روک دئے جاؤ پس جو میسر ہو ہدی میں سے بھیج دو۔''

علامہ ماوردیؒ تفسیر النکت میں فرماتے ہیں: حاجی دشمن مرض یا کسی عذر کی وجہ سے رک سکتا ہے۔ یہ قتادہؒ اور امام ابو حنیفہؒ کی رائے ہے۔ دوسری رائے امام مالک اور امام شافعیؒ کی ہے کہ احصار صرف دشمن سے ہوگا نہ کہ مرض سے۔ اب راجح بات کون سی ہے اس حوالے سے تفصیل یہ ہے۔

---

[33] أحمد بن محمد بن حنبل، **مسند الإمام أحمد بن حنبل**، مسند القبائل، رقم الحديث: 27363.

Aḥmad bin Muḥammad bin Hanbal, Musnad al-Imam Aḥmad bin Hanbal, Masnad alQabail, Ḥadith no 18301

[34] برہان الدین مرغینانی، ''الھدایہ''، 243/1

Burhan aldin Nurghananī, Al-Hadaya, 1/243

[35] القرآن، سورۃ البقرہ ۲: ۱۹۶۔

Al-Qurān, 2:196

تحقیق

امام مالک اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں احصار دشمن سے ہوتا ہے جیسے حدیبیہ کے موقع پر نبی ﷺ کو اور صحابہ کرام کو کافروں نے روکا۔ حضرت عباسؓ فرماتے ہیں: "لَاحَصْرَ اِلَّا حَصْرَالْعَدُوِّ". رکاوٹ حج کے لیے دشمن کی طرف سے ہوسکتی ہے صرف۔ امام اعظمؒ فرماتے ہیں: آیت میں فان احصرتم فرمایاہے، اور اہل لغت کے ہاں احصار مرض سے ہے اور حصر کے معنی حبس اور منع کے اور روکنے کے ہیں۔ اُحْصِرْتُمْ ہے نہ کہ حُصِرْتُمْ کہ تم روک دیئے جاؤ۔ وہ عام ہے کہ کسی طرح بھی مرض ہو، دشمن سے یا کسی اور رکاوٹ سے۔ دوسری دلیل حضرت ابن مسعودؓ نے ایک سانپ سے ڈسے ہوئے کو حکم دیا کہ وہ محصر ہے اور احرام کھولے۔[36]

ترجیح

احناف کے قول کو ہے کیونکہ وہ ظاہری آیت کریمہ کے موافق ہے اور اسلام بھی آسانی اور حرج کو دور کرناچاہتا ہے اور اہل لغت متفق ہیں کہ احصار مرض سے اور حصر دشمن سے ہوتا ہے اور آیت کا ظاہر آسانی سہولت کی طرف اشارہ کرتاہے۔ کیونکہ اگر مریض اتنا بیمار ہوجائے شدت مرض ہو اور مناسک کی تکمیل ممکن ہی نہ رہے تو اسلام نے آسانی دی ہے: اَلدِّیْنُ یُسْرٌ. اور اس کو ترجیح دی ہے ابن جریر طبریؒ نے بھی، فرماتے ہیں "واولی التاویل باالصواب فی قوله فان احصرتم الخ" بہتر تاویل توجیہ اس آیت میں اگر تم دشمن کے خوف اور مرض کسی بیماری کی وجہ سے جو کہ مانع بن جائے جو وصول کعبہ اور مناسک سے روک دے اور فرماتے ہیں اگر احصار کی تخصیص دشمن کے ساتھ خاص ہوتی تو آیت میں اس طرح ہوتا فَاِنْ حُصِرْتُمْ۔[37] ابن العربیؒ فرماتے ہیں:

---

36 حافظ ابو بکر ابن ابی شیبہ، "المصنف"، 141/4۔

Hafiz Abu Bakar ibn e Abi Shaiba, al-Musanaf, 4/ 141

37 ابوجعفر الطبری، **جامع البيان في تأويل القرآن**، 215/2.

Abu Jafar Tabarī, Jame al-Bayan fī Taweel al-Qurān, 2/ 215

اکثر اہل علم کی رائے بھی یہی ہے کہ اُحصِرَ کا لفظ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کو مرض ہو اور وہ اس کو کسی جگہ جانے سے روک دے۔[38] ابو بکر جصاصؒ بھی فرماتے ہیں مرض اور زادراہ گم ہونے کی وجہ سے جو سفر جاری نہ رکھ سکے اس کو احصار کہتے ہیں۔[39] اور اگر دشمن روک دے اس کو حصر کہتے ہیں۔

خلاصۂ کلام

یہ ہے کہ امام اعظمؒ کا مؤقف ہمہ گیر اور معقولیت پر مبنی ہے۔ اس میں سہولت ہے اسلام ہر مسئلے کا حل پیش کرتا ہے۔ باقی دیگر ائمہ کے مؤقف پر یہ سوال ہوتا ہے اگر کوئی مرض یا کسی وجہ سے مناسک سے رک گیا وہ کیا کرے؟

محصر بالحج کا حکم اور ترجیح

فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ[40] ''اب اگر روک دیا گیا حاجی اب احرام سے کیسے نکلے؟''

محصر پر کیا لازم ہے؟ علامہ ماوردیؒ فرماتے ہیں ہدی لازم ہے اور ہدی سے مراد بکری ہے اور یہ حضرت ابن عباسؓ اور علقمہؒ اور اکثر فقہاء کرام کا قول ہے دوسری رائے کہ بدنہ لازم ہے، چاہے چھوٹا بدنہ (گائے) یا بڑا بدنہ (اونٹ) دیدے۔[41] یہ رائے حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کی ہے۔

اس میں افضل تو بقرہ گائے اور اونٹ بدنہ ہے لیکن شاۃ بکری بھی کافی ہے۔ کیونکہ باری تعالیٰ کا فرمان ہے، **فَمَا اسْتَيْسَرَ** جو میسر ہو آسانی سے اور یہ ائمہ جمہور کی رائے ہے۔ اگرچہ حضرت ابن عمرؓ کی رائے ہے کہ بدنہ بقرہ گائے کو کہتے ہیں۔ لیکن صحیح جمہور کی رائے ہے اور وسعت ہے اور اسی میں سہولت ہے۔[42]

---

38 ابو بکر ابن العربی، **احکام القرآن**، 170/1.
Abu Bakar Ibn al-Arabaī, Aḥkām al-Qurān, 1/170

39 أيضاً.
Ibid

40 القرآن، سورۃ البقرہ۲: ۱۹۶۔
Al-Qurān, 2:196

41 أبو الحسن علي بن محمد بن محمد بن حبيب البصري الماوردی، **النكت والعيون**، 255/1.
Abul Ḥassan Ali bin Muḥammad bin Muḥammad al-Mawardī, Al-Nukat wal Uyun, 1/255

42 محمد علي الصابوني، **روائع البيان تفسير آيات الأحكام** ، 249/1.
Muḥammad Ali Saboonī, Rawaih al Bayan Tafseer Ayat al Aḥkām, 1/ 249

محصر ہدی کہاں ذبح کرے؟

وَ لَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ [43]

''اپنا حلق نہ کرو (اپنا سر نہ منڈواؤ یہاں تک کہ ھدی اپنے محل تک پہنچ جائے)''

ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں محصر کی قربانی کی جگہ موضع حصر ہے جہاں وہ محصر ہوا ہے۔ حل ہو یا حرم ہو۔ بر خلاف امام ابو حنیفہؒ کے فرماتے ہیں وہ حدود حرم میں ذبح کرے۔ کیونکہ آیت ہے: ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ[44]. اس کا محل بیت عتیق ہے۔ ایک تیسرا قول ہے کہ جہاں وہ حلال ہوا اپنے احرام سے۔ امام ماوردیؒ نے نقل فرمایا ہے تینوں اقوال کو، اور فرماتے ہیں اگر عمرے کا ہے احرام وہ فوت نہیں ہوا اگر حج کا ہے تو قضاء کرے۔[45]

تحقیق

امام اعظمؒ نے حدود حرم متعین فرمایا ہے وہاں ذبح کیا جائے اس دن یہ احرام کھول دے گا۔ کیونکہ فرمان باری ہے اس وقت تک احرام نہ کھولو جب تک قربانی اپنی جگہ نہ پہنچ جائے۔ ائمہ ثلاثہ کے ہاں جہاں رکا ہے وہیں قربانی کرے۔ نبی ﷺ نے حدیبیہ میں قربانی کی تھی وہیں روکا گیا تھا۔ نبی ﷺ اور صحابہ کرامؓ کو اور امام بخاریؒ نے لکھا ہے حدیبیہ حرم سے خارج ہے۔ البتہ شارح بخاری علامہ بدرالدین عینیؒ نے اس کا جواب دیا ہے کہ حدیبیہ کا بعض حصہ داخل حرم اور بعض حصہ خارج حرم ہے۔[46] اور نبی ﷺ جہاں رکے تھے وہ حرم تھا کیونکہ ابن ابی شیبہ نے ابو عمیس سے نقل کیا ہے عطاء نے کہا حدیبیہ کے روز نبی ﷺ کا قیام حرم میں تھا۔ اور علامہ ابو حیان اندلسیؒ نے بحر المحیط میں

---

43 القرآن، سورۃ البقرہ ۲: ۱۹۶۔
Al-Qurān, 2:196

44 القرآن، سورۃ الحج ۲۲: ۳۳۔
Al-Qurān, 22:33

45 أبو الحسن علي بن محمد بن محمد بن حبيب البصري الماوردی، **النكت والعيون**، 255/1.
Abul Ḥassan Ali bin Muḥammad bin Muḥammad al-Mawardī, Al-Nukat wal Uyun, 1/255

46 محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري، **صحيح البخاري**، باب ما جاء فی الاحصار، 244/1.
Muḥammad bin Ismail Bukhari, Sahih Bukhari, Bab Ma ja Fi al-ahsar,1/244

فرماتے ہے نبی ﷺ کو جس جگہ روک دیا گیا تھا آپ ﷺ نے وہیں قربانی کی وہ حدیبیہ کے ایک طرف تھی جس کا نام الربٰی ہے یہ اسفل مکہ میں ہے یہ حرم میں ہے۔ علامہ واقدیؒ نے فرمایا حدیبیہ مکہ سے نو میل کے فاصلے پر ہے حرم میں۔

تطبیق

علامہ طبریؒ نے تطبیق دی ہے اس قول کو یہ فرماتے ہوئے عمرہ یا حج جس احرام میں احصار ہوا تو محل ہدی وہی جگہ ہی ہے وہاں ذبح کرے جہاں احصار ہوا: "وَجَعَلَ لَه الِاحْلَالَ مِنْ اِحْرَامِهِ بِبَلُوغِ هَدْيِه مَحِلَّه". وہ احرام سے حلال ہو گا ھدی محل میں پہنچ جائے اور محل کی تاویل منحر اور مذبح ہے چاہے حل ہو یا حرم علامہ ابن جوزیؒ فرماتے ہیں آیت میں محل سے مراد حرم ہے۔ حضرت ابن مسعود اور فقہائے احناف کی یہ رائے ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے وہ مقام مراد ہے جہاں رکاوٹ کا سامنا ہوا۔ یہی ائمہ ثلاثہ (امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ) کی رائے ہے۔[47]

خلاصۂ کلام

قوت دلائل کے اعتبار سے احناف کا مسلک راجح ہے۔ لیکن سہولت اور آسانی کے لحاظ سے ائمہ ثلاثہ کا مسلک ہے۔ کیونکہ بیمار یا دشمن میں گھرے ہوئے شخص کے لیے اس وقت انتظار کرنا جب تک قربانی حرم میں ذبح ہو مشکل ہے۔ اور دشوار ہو گا اس کے برعکس موضع احصار میں قربانی کر کے احرام کھولنے میں آسانی ہے۔

تطبیق اس طرح دے سکتے ہیں شوافع یعنی ائمہ ثلاثہ جمہور کی رائے سہولت پر مبنی ہے۔ اور امام صاحب کی رائے جو کہ قربانی حدود حرم کے قائل ہیں کہ وہاں پہنچ کر ذبح ہو ان کا استدلال: ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ اور هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ[48] ان دو آیات سے استدلال کرتے ہیں۔ یہ اس پر محمول کریں گے جو امن میں ہو جائے اور حدود حرم میں پہنچانا جانور ممکن ہو جائے اس کے لیے تو جائز ہے اس کی طرف قاضی شوکانیؒ نے فتح القدیر میں اشارہ کیا ہے۔"وَالْمُخَاطَبُ ثُمَّ مَحِلُّهَا اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ. هُوَالْاٰمِنُ الَّذِى يُمْكِنُه الْوَصُوْلُ اِلَى الْبَيْتِ".[49]

---

47 ابن الجوزی، **زادالمسیر**، 164/11

Ibn al-Jouzī, Zad al Maseer, 11/164

48 القرآن، سورۃ المائدہ۵: ۹۵۔

Al-Qurān, 5:95

49 محمد ابن علی الشوکانی، **فتح القدیر**، 127/1.

اس آیت میں خطاب اس کو ہے جو امن والا ہے کہ بیت الحرام تک وصول ممکن ہو۔ علامہ ماوردیؒ فرماتے ہیں اگر عمرے کا حرام ہے وہ فوت نہیں یہ حضرت ابن عباسؓ اور امام مالکؒ کا قول ہے۔اور حج کے احرام سے نکلا ہے وہ محصر تھا تو فائت الحج ہے حج کی قضاء لازم ہے۔[50]

قضاء کا وجوب محصر پر

اس کی قضاء بھی لازم ہو گی جس طرح نبی ﷺ نے فرمایا تھا:

وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ [51] ''اور مکمل کرو حج اور عمرہ۔''

واضح طور پر حکم ہے تکمیل حج وعمرہ کا۔ یہ تقاضا کرتا ہے حکم یہ مکمل ہو۔ یہ نذر کی طرح ہے جس سے عہدہ براہونے کے لیے نذر مکمل کرنا لازم ہے تو حج وعمرہ کی قضاء لازم ہو گی ان کو پورا کرنے سے قبل۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں احصار عمرے سے متحقق نہیں ہوتا۔ بر خلاف جمہور کے کیونکہ حدیبیہ میں عمرہ کی وجہ سے احصار ہوا تو اگلے سال عمرۃ القضاء ادا فرمایا۔ پھر جو حج سے روک دیا جائے ھدی بھیج کر حلال ہو اس پر حج اور عمرہ دونوں لازم ہوں گے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ فَاتَه عَرَفَة بِلَيْلٍ فَقَدْفَاتَه الْحَجُّ فَلْيُحَلِّلْ بِعُمْرَةَ وَعَلَيْهِ الْحَجُّ مِنْ قَابِلٍ)). رسول کریم ﷺ نے فرمایا جس کا رات میں وقوف عرفہ فوت ہوا وہ عمرہ کرکے حلال ہو اور اس پر اگلے سال حج فرض ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا فائت الحج پر حج وعمرہ دونوں لازم ہیں۔

حج کی قضاء اس لیے لازم ہے کہ شروع کرکے ایک چیز لازم ہو گی جس کی تکمیل واتموالحج والعمرۃ کے تقاضے کے تحت لازم تھی تو حج کی قضاء کرے اور عمرہ اس لیے کہ یہ محصر فائت الحج کے معنی میں ہے جس پر عمرہ بھی لازم ہو گا۔[52]

Muḥammad bin Ali Shoukanī, Fath ul Qadeer, 1/127

50 أبو الحسن علي بن محمد بن حبيب البصري الماوردی، **النكت والعيون**، 255/1.

Abul Ḥassan Ali bin Muḥammad bin Muḥammad al-Mawardī, Al-Nukat wal Uyun, 1/255

51 القرآن، سورۃ البقرہ۲: ۱۹۶۔

Al-Qurān, 2:196

52 برھان الدین المرغینانی، ''الھدایہ شرح بدایۃ المبتدی''، 343/2۔

Burhan aldin Murghananī, Al-Hadaya, 2/343

خلاصۂ کلام

امام مالکؒ کے ہاں عمرہ میں احصار متحقق نہیں ہوتا۔ عمرہ کسی وقت کے ساتھ مخصوص نہیں کہ وقت کے گذرنے کے ساتھ عمرہ کا فوت ہونا لازم ہو۔ باقی جمہور کے ہاں حدیبیہ میں احصار ہوا تھا اگلے سال قضاء کی تھی اور دوسرا احلال ہونا احرام سے نکلنا اس کے لیے جانور ذبح کرنا مشروع ہے جب محصر ہو جائے۔

حج کے احرام میں حصر ہے تو عمرہ میں بھی احصار ہوتا ہے تو جب احصار ہوتا ہے یقیناً عقلاً اور نقلاً مکمل نہیں ہوئے لازم ہے اب اس عمرہ کی قضاء جیسے حج میں قضاء ہوتی ہے۔ جمہور کی رائے واضح اور قابل ترجیح ہے۔ محصر بالعمرۃ (قضا) کرے اور محصر بالحج بھی حج کے ساتھ ایک عمرہ بھی ادا کرے گا۔

عذر کی وجہ سے محرم کا حلق کروانا

اب اگر محرم نے ابھی ارکان مکمل نہیں کیے اگر اس کو ضرورت پیش آگئی سر منڈانے کی تو کیا حکم ہے فرمایا:

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ[53]

"پس تم میں سے کسی کو بیماری یا سر میں تکلیف ہو (جوں وغیرہ) تو وہ روزے رکھے یا صدقہ کرے یا قربانی کرے (مساکین کو کھانا کھلائے)"

علامہ ماوردیؒ فرماتے ہیں اگر اس نے حلق کروالیا مناسک کی ادائیگی سے قبل عذر کی بناپر امام شافعیؒ کے ہاں تین روزے رکھے اور یہ قول علقمہؒ اور مجاہدؒ کا بھی ہے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ دس روزے رکھے جیسے متمتع جو قربانی نہیں کر سکتا دم شکر کی وہ دس روزے ہے یہ حضرت حسنؒ اور حضرت عکرمہؒ کی رائے ہے، صدقہ کرے اگر روزہ نہ رکھے تو دس مساکین کو کھلائے ان کے قول کے مطابق جو دس روزے کا کہتے ہیں جیسے حضرت حسنؒ اور عکرمہؒ کی رائے اور چھے مساکین کو کھلائے ان کی رائے کے مطابق جنھوں نے تین روزے کا کہا تھا جیسے امام شافعیؒ کی رائے ہے۔[54]

---

53 سورۃ البقرہ ۲: ۱۹۶۔

Al-Qurān, 2:196

54 أبو الحسن علي بن محمد بن حبيب البصري الماوردى، **النكت والعيون**، 256/1.

Abul Ḥassan Ali bin Muḥammad bin Muḥammad al-Mawardī, Al-Nukat wal Uyun, 1/255

تحقیق

امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں حضرت عبداللہ بن معقلؒ فرماتے ہیں میں حضرت کعب بن عجرہؓ کے پاس کوفے میں مسجد میں بیٹھا تھا میں نے ان سے روزہ کے فدیہ کے بارے میں معلوم کیا انھوں نے فرمایا مجھے نبی ﷺ نے فرمایا جبکہ مجھے نبی ﷺ کے پاس اس حال میں لایا گیا کہ جوئیں میرے چہرے پر گر رہی تھیں کہ تم کیسی مصیبت میں ہو؟ کیا تمھارے پاس قربانی کے لیے بکری نہیں میں نے کہا نہیں۔ فرمایا نبی کریم ﷺ نے تین دن کے روزے رکھو یا چھ مساکین کو کھانا کھلاؤ۔ یہ آیت میرے متعلق نازل ہوئی ہے۔[55]

علامہ طبریؒ نے اسی کو راجح قرار دیا کہ جو حضرت کعب بن عجرہؓ کی روایت میں ہے آپ ﷺ نے حکم دیا سر منڈوا کر فدیہ دو بکری یا تین روزے یا چھ مساکین کو کھانا کھلانا ہر مسکین کو نصف صاع اور ان میں سے فدیہ دینے والا جس کو اختیار کرے اختیار ہے اسے۔[56] روزہ رکھنا اور مساکین کو کھانا کھلانے میں حرم کی تخصیص بھی لازم نہیں یہ جمہور بشمول احناف کی دلیل ہے اور دس مساکین کو کھلانا انھوں نے اسے قیاس کیا ہے متمتع پر جو کہ دم شکر سے قاصر ہو وہ دس روزے رکھتا ہے۔

خلاصۂ کلام

جمہور کے قول کو ترجیح حاصل ہے۔ کیونکہ نص حدیث صریح ہے اسی حوالے سے تو اس کو اسی حکم کے ساتھ خاص کیا جائے گا۔ جبکہ دس مساکین والی رائے وہ قیاس کیا گیا ہے اس کو۔ ایک طرف صریح نص ہے حدیث حضرت کعب بن عجرہ ؓ کی دس مساکین کی والی روایت ہے اور وسعت پر محمول ہے۔ اور صریح روایت ہے اس کو ترجیح حاصل ہو گی۔

---

55 ملا احمد جیون، ''تفسیرات احمدیہ''، ص:88۔
Mulla Aḥmad Jeewan, Tafseer al-Minar, p 88

56 ابوجعفر الطبری، **جامع البيان في تأويل القرآن**، 399/3.
Abu Jafar Tabarī, Jame al-Bayan fī Taweel al-Qurān, 3/499

دم شکر کے لیے متمتع جانور نہ پائے تو کیا حکم ہے؟

حج قران اور متمتع والے ان پر دم شکر کے طور پر قربانی لازم ہے اگر وہ نہ پائیں تو کیا حکم ہے:

فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ [57]

دم شکر کے طور پر متمتع اور قارن بالحج قربانی کرتے ہیں اگر وہ نہ پائیں مال نہ ہونے کی وجہ سے یا جانور ختم ہو جائیں تو روزے رکھیں اور روزے تین تو حج کے ایام سے قبل اور سات روزے جب لوٹ جائیں۔ امام ماوردیؒ فرماتے ہیں یوم نحر سے قبل تین روزے اور یہ امام شافعیؒ کا قول جدید ہے۔ قول قدیم ایام تشریق سے قبل روزے رکھے۔[58] امام اعظمؒ فرماتے ہیں اشہر الحج میں رکھے جب عمرے کے احرام سے نکلے اور حج کے احرام سے قبل تین روزے رکھے اور بہتر ہے یوم الترویۃ کے روز اور عرفہ کے روز رکھے اور ایک دن، ان دو یوم سے قبل یعنی ساتھ آٹھ، نو ذی الحج تک روزے رکھے۔

تحقیق

منشاء اختلاف تین روزے کے حوالے سے آیت میں: ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ فِي الْحَجِّ۔ میں امام شافعیؒ کے ہاں احرام الحج ہے کہ احرام اس میں ادا کرے اور امام صاحب کے ہاں اشہر الحج ہے اقوال دونوں رائے کے حوالے سے ہیں۔[59]

ترجیح

امام شافعیؒ کے قول کو ہے کیونکہ وہ یوم عرفہ سے قبل تک روزہ کی تکمیل کا خاص طور سے تین روزوں کا فرماتے ہیں رکھ لے۔ کیونکہ امام صاحبؒ فرماتے ہیں عرفہ تک روزہ رکھے حالانکہ آٹھ کو حجاج منیٰ اور نو کو وقوف عرفہ کرتے ہیں۔ ظاہر ہے اگرچہ حج جتنا سہولت والا ہو مگر ان ایام میں خاص طور سے مناسک حج کی

---

57 سورۃ البقرہ۲: ۱۹۶۔
Al-Qurān, 2:196

58 أبو الحسن علي بن محمد بن محمد بن حبيب البصري الماوردی، **النكت والعيون**، 257/1.
Abul Ḥassan Ali bin Muḥammad bin Muḥammad al-Mawardī, Al-Nukat wal Uyun, 1/257

59 محمد ابن علی شوکانی، **فتح القدير**، 126/1.
Muḥammad bin Ali Shoukanī, Fath ul Qadeer, 1/126

ادائیگی والے ایام میں مشقت ہے۔ لہٰذا ایسے ہی ہے متمتع عمرہ کر لے اشہر الحج میں اور عمرہ سے فارغ ہو کر حج کے احرام سے قبل وہ روزہ رکھ لے تین اگر وہ تمتع کے دم شکر والی قربانی نہیں کر سکتا۔

علامہ طبریؒ کی رائے

وہ فرماتے ہیں اور اسی کو ترجیح دی ہے جس مکان میں فدیہ اور روزہ رکھے کیونکہ جو اللہ نے مطلق مبہم رکھا اس کو مقید نہ کرو جب تک حدیث نص نہ ہو، لہٰذا جہاں چاہے رکھے روزے۔[60]

تین روزے مناسک حج شروع ہونے سے قبل رکھے کیوں کے آٹھ سے مناسک شروع ہو جاتے ہیں مصروفیت ہو گی مناسک میں باقی جہاں سہولت ہو رکھ لے۔ یہ روزے کب رکھنے ہیں؟ فرمایا:

وَ سَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ: سات روزے جب تم لوٹو۔

علامہ ماوردیؒ فرماتے ہیں: ایک رائے امام مجاہدؒ کی ہے کہ جب تم حج سے لوٹ کر جاؤ تو راستے میں رکھو۔ دوسری رائے قتادہؒ اور علقمہؒ کی ہے کہ جب تم وطن پہنچ جاؤ تو روزے رکھو۔

تحقیق

علامہ صابونیؒ فرماتے ہیں اس حوالے سے شوافع کی رائے زیادہ راجح ہے۔ جب وہ وطن لوٹے تو روزے رکھے۔ امام اعظمؒ فرماتے ہیں جب مناسک حج سے فارغ ہو تب رکھے۔ امام شوکانیؒ نے مام شافعیؒ کے قول کو (کہ وطن میں رکھے) ترجیح دی ہے۔[61] کیونکہ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں نبی ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَصُومُوا هَذِهِ الْأَيَّامَ، فَإِنَّهَا أَيَّامُ أَكْلٍ))[62]

'' ان ایام میں روزے نہ رکھو یہ کھانے پینے کے دن ہیں۔''

"فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ فِى الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُم اَىْ اِذَارَجَعَ اِلٰى اَهْلِه."[63]

---

60 ابوجعفر الطبری، **جامع البيان في تأويل القرآن**، 406/3.

Abu Jafar Tabarī, Jame al-Bayan fi Taweel al-Qurān, 3/ 406

61 محمد علي الصابوني، **روائع البيان تفسير آيات الأحكام** ، 1/ 252.

Muḥammad Ali Sabooni, Rawaih al Bayan Tafseer Ayat al Aḥkām, 1/ 252

62 أحمد بن محمد بن حنبل، **مسند الإمام أحمد بن حنبل**، رقم الحديث: 16038.

Aḥmad bin Muḥammad bin Hanbal, Musnad al-Imam Aḥmad bin Hanbal, Masnad alQabail, Ḥadith no 16038

علامہ طبریؒ نے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ فرمایا:

"وَثَبَتَ اَيْضًا فِي الصَّحِيْحِ مِنْ حَدِيْثِ ابنِ عَبَّاس بِلَفْظٍ(وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلٰى اَمْصَارِكم)"[64]

حضرت ابن عباسؓ کی صحیح بخاری میں حدیث ہے، اس آیت کی تشریح میں اور سات روز جب تم شہروں میں لوٹ جاؤ تب رکھو۔

خلاصۂ کلام

یہ ہے کہ اس حوالے سے اگر مناسک حج کے بعد کافی دن ہوں وطن واپسی کے تو اگر سہولت ہو تو روزے وہیں رکھ لے وہاں صرف عبادات، طواف وغیرہ نمازیں اور زیارات ہیں بس تو روزے رکھ لے اور اگر واپسی جلدی ہو تو وطن آکر واپس رکھ لے۔ اس طرح دونوں رائے پر عمل ہو سکتا ہے۔ امام اعظمؒ نے فرمایا تھا کہ مناسک حج کے بعد روزے رکھ لے اور امام شافعیؒ نے فرمایا تھا وطن آکر رکھ لے اور یہ قول اگرچہ مؤید بالحدیث ہے۔ یہ حکم حج تمتع کا صرف آفاقی کے لیے ہے جو مقامی میقات کا رہنے والا ہے اس کے لیے نہیں ہے۔ باقی ایام تشریق میں ممانعت ہے فرمایا: اَيَّا مُ اَكلٍ وَّشُرْبٍ وَّبَعَالٍ۔

روزوں کا حکم اور حاضری المسجد الحرام کی تعیین میں آراء

ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ[65]

علامہ ماوردیؒ فرماتے ہیں حاضری المسجد الحرام سے اہل حرم مراد ہیں، یہ حضرت ابن عباسؓ اور مجاہدؒ کا قول ہے۔ مکہ اور میقات کے مابین رہنے والے مراد ہیں، یہ عطاءؒ کا قول ہے۔ اہل حرم اور اس کے قرب وجوار والے مراد

63 محمد ابن علی شوکانی، **فتح القدير**،127/1.

Muḥammad bin Ali Shoukani, Fath ul Qadeer, 1/126

64 ابوجعفر الطبری، **جامع البيان في تأويل القرآن**، 252/2.

Abu Jafar Tabarī, Jame al-Bayan fi Taweel al-Qurān, 2/ 252

65 القرآن، سورۃ البقرہ۲: ۱۹۶۔

Al-Qurān, 2:196

ہیں، اہل عرفہ اور رجیع والے، یہ امام مالکؒ کی رائے ہے۔ جو ایسی مسافت پر ہو جس پر باعتبار نماز کے قصر کے احکام لاگو نہ ہوں، یہ امام شافعیؒ کی رائے ہے۔ امام مالکؒ کا ایک قول یہ ہے کہ اہل مکہ مراد ہیں۔

ترجیح

اس حوالے سے ترجیح چوتھی رائے کو حاصل ہے۔ کیونکہ ابن جریر طبریؒ نے اس کو ترجیح دی ہے۔[66] دوسرا امام مالکؒ کی رائے ہے اس سے اہل مکہ مراد ہیں۔ اس کو امام طحاویؒ نے ترجیح دی ہے۔[67] بظاہر دیکھیں تو یہ تمام اقوال اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ حاضری المسجد الحرام سے مراد وہ حرم کے قریب رہنے والا ہو حدود حرم اور مکہ میقات اس کے قرب و جوار والا ہو علامہ ماوردیؒ نے جو اقوال ذکر کیے ہیں وہ بھی تقریباً حاضری المسجد الحرام کی تشریح ہے۔

حج کے مہینے کون سے ہیں؟

حج مخصوص ایام ہیں تین ماہ ہیں شوال ذیقعدہ اور ذی الحج کے ان میں احرام باندھا جائے۔ شوال اور ذیقعدہ اور مکمل ذی الحجہ یہ حضرت قتادہ اور امام مالکؒ کی رائے ہے۔ شوال، ذیقعدہ اور دس دن ذی الحج کے یہ امام اعظمؒ کی رائے ہے۔ شوال، ذیقعدہ اور دس راتیں ذی الحج کی یوم النحر کی طلوع فجر تک۔ یہ حضرت ابن عباسؓ، مجاہدؒ اور امام شافعیؒ کی رائے ہے۔[68]

تحقیق

---

66 ابوجعفر الطبری، **جامع البيان في تأويل القرآن**، 444/3.

Abu Jafar Tabarī, Jame al-Bayan fi Taweel al-Qurān, 3/ 444

67 ظفر احمد عثمانی، ''احکام القرآن''، 330/1۔

Zafar Aḥmad Uthmani, Aḥkām ul Qurān, 1/330

68 أبو الحسن علي بن محمد بن محمد بن حبيب البصري الماوردی، **النكت والعيون**، 258/1.

Abul Ḥassan Ali bin Muḥammad bin Muḥammad al-Mawardī, Al-Nukat wal Uyun, 1/258

امام احمد بن حنبلؒ کی رائے بھی وہی ہے جو امام اعظمؒ کی ہے۔ دوسرا قول ہے: شوال، ذیقعدہ اور ذی الحج کے دس یوم۔[69] ابن جریرؒ نے اپنی تفسیر امام اعظمؒ کی رائے کو ترجیح دی ہے۔ فرماتے ہیں:

"وَالصَّوَابُ مِنَ الْقَوْلِ فِي ذَالِك عِنْدَنَا قَوْلُ مِنَ الْحَجِّ شَهْرَانِ وَعَشْرٌمِّنَ الثَّالِثِ."[70]

صحیح قول اقوال میں سے میرے ہاں حج کے دوماہ، شوال، ذیقعدہ اور تیسرے کے دس دن ہیں۔ کیونکہ مکمل ذی الحج کے ماہ میں مناسک حج نہیں ہوتے۔ جب یہ بات ہے تو صحیح ہے وہ قول جو عشرہ ذی الحج دس یوم ذی الحج کے قائل ہیں۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: امام اعظمؒ کا قول عبادلہ اربعہ حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ ابن عمر، حضرت عبداللہ ابن عباس اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی رائے ہے۔ امام مالکؒ کی دلیل یہ ہے کہ اشہر جمع ہے۔ اقل اس کا تین ہے، تو ذی الحج مکمل ہونا چاہیے۔ اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اشہر سے تیسرے کا بعض مراد ہے کیونکہ جمع کا اطلاق ایک سے زیادہ پر بھی ہوتا ہے جیسے باری تعالیٰ کا قول سورۃ تحریم میں ہے: فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا[71] اس میں دو قلوب مراد ہیں حالانکہ قلوب بصیغہ جمع لایا گیا ہے۔[72]

خلاصۂ بحث

امام شافعی اور امام صاحبؒ کی رائے قریب قریب ہے۔ امام شافعیؒ نے یوم النحر کی طلوع فجر تک کا کہا ہے۔ کیونکہ بقیہ اعمال جمرات قربانی جو کہ مزید ایام التشریق بارہ تک ہوتے ہیں۔ ان کا تدارک دم سے ہو سکتا ہے، باقی طواف زیارت جو ہے یوم النحر دس کو کر لیا جائے وگرنہ بارہ ذی الحج تک اس کی بھی اجازت ہے۔

فرضیت حج اور لزوم حج سے متعلق آراء

---

69 عبد الرحمن بن علي بن محمد الجوزي، **زاد الميسر فى علم التفسير**، 201/1.
Abdurehman bin Ali bin Muḥammad al-Jouzi, Zad al Maseer, 1/201

70 ابوجعفر الطبری، **جامع البيان في تأويل القرآن**، 452/3.
Abu Jafar Tabarī, Jame al-Bayan fi Taweel al-Qurān, 3/ 452

71 القرآن، سورۃ التحریم ۶۶: ۴۔
Al-Qurān, 66:4

72 برہان الدین مرغینانی، "الھدایہ"، 403/1۔
Burhan aldin Murghananī, Al-Hadaya, 1/403

اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ پوری زندگی میں حج ایک مرتبہ فرض ہے۔ لیکن لزوم حج سے متعلق آراء مختلف ہیں۔امام ماوردیؒ آیت مبارکہ '' فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ '' کے ذیل میں فرماتے ہیں:

لزوم حج تلبیہ سے ہے، یہ حضرت عمرؓ اور مجاہدؒ اور طاؤسؒ کی رائے ہے۔ لزوم حج احرام سے ہے، یہ حضرت ابن عباسؓ اور قتادہؒ اور عطاءؒ اور امام شافعیؒ کی رائے ہے۔امام صاحبؒ کے ہاں ایک تیسری چیز ہے (ھدی) بھیج کر احناف کے ہاں تینوں طریق سے لزوم حج ہو جاتا ہے۔[73]

تحقیق

اصل احرام ہمارے ہاں تلبیہ ہے اور وہ بھی نیت کے ساتھ یہ اختلاف دوسرے اختلاف پر مبنی ہے۔

احرام کیا ہے؟

ائمہ ثلاثہ کے ہاں نیت دل کے ساتھ جیسے روزے میں ہوتا ہے اور تلبیہ شرط نہیں۔البتہ ایک قول امام مالکؒ کا ہے کہ تلبیہ لازم ہے۔اس کے ترک سے دم ہے۔اور یہی ایک روایت امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کی ہے۔ لیکن مشہور قول ان دونوں کے ہاں تلبیہ مسنون ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کے ہاں احرام اصل تلبیہ ہے،نیت کے ساتھ جیسے تکبیر تحریمہ نماز کے لیے لازم ہے اور قیاس نماز کے ساتھ زیادہ صحیح ہے۔ بہ نسبت روزے کے ساتھ مشابہت کے۔۔ کیونکہ حج و عمرہ وجودی عبادت ہے افعال بجالائے جاتے ہیں بہ نسبت روزے کے وہ عبادت غیر وجودی ہے جنس ترک افعال ہے۔اس پر حج و عمرہ کو قیاس نہیں کیا جاسکتا ہے۔

حضرت ابن عباس ؓ اس آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں:

فَرْضُ الْحَجِّ اَلْاِهْلَالُ حج کی فرضیت تلبیہ سے ہے۔اور حضرت ابن عمر□ کا قول تفسیری طبری میں ہے:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی الله عنه فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ،قَالَ اَهَلَّ۔[74] تلبیہ ہے۔اور ابو بکر جصاصؒ نے فرمایا حضرت ابن عمرؓ اور حضرت عائشہؓ کی روایت ہے: لَااِحْرَامَ اِلَّا لِمَنْ اَهَلَّ۔

---

73 ملا احمد جیون، ''تفسیرات احمدیہ''،168/1۔

Mulla Aḥmad Jeewan, Yafseerat e Aḥmadia, 1/168

خلاصۂ کلام

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ لزوم حج تلبیہ ہے کہ اس کی تفسیر جمہور امت تلبیہ سے کرتے ہیں کہ احرام باندھنے سے پابندیاں حج کی لازم نہیں ہوتی جب تک تلبیہ نہ پڑھے اور ابو بکر جصاصؒ فرماتے ہیں سلف سے ثبوت نہیں احرام میں دخول کا مگر تلبیہ کے ساتھ تو ترجیح تلبیہ کو حاصل ہوئی۔ ممانعت احرام یعنی پابندیاں وہ جب میقات پر تلبیہ پڑھ لے اسوقت لازم ہوتی ہیں اگر کوئی احرام باندھ لے تو وہ محرم نہیں جب تک نیت نہ کرے اور نیت پر دلالت تلبیہ سے ہے۔

ممنوعات احرام

ہر عبادت آداب کا تقاضا کرتی ہے اور حج جیسی اہم عبادت جو مالی بدنی اور مشقت سے معمور ہے اس میں آداب کی رعایت میں کوتاہی نہ ہو جائے: فَلَا رَفَثَ وَ لَا فُسُوْقَ وَ لَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ [75]

رفث علامہ ماوردیؒ فرماتے ہیں احرام میں کچھ پابندیاں قرآن کچھ احادیث سے ثابت ہیں۔ احادیث سے جیسے، خوشبو لگانا، ناخن کاٹنا اور سلے ہوئے کپڑے پہننا۔ لیکن قرآن سے جو ثبوت ہے: پہلی فلا رفث۔

رفث میں تین اقوال ہیں:

1۔ جماع: یہ حضرت ابن عمرؓ اور حسن اور مجاہدؒ کی رائے ہے۔ 2۔ جماع یا اس کے لوازمات، کھیل کود یعنی تمہید ہو جماع کی، یہ قول حسن بصریؒ کا ہے۔ 3۔ فحش گفتگو کرنا۔ یہ حضرت ابن عباسؓ اور طاؤس کی رائے۔

ترجیح

علامہ طبریؒ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا کہ جو احرام اور تلبیہ سے حج کا لزوم کرے۔ تو وہ رفث سے بچے۔ فرماتے ہیں: رفث۔ اصل میں عرب گفتگو جو فحش ہو اس کے لیے استعمال کرتے ہیں اور پھر کنایتاً جماع کے لیے

---

74 ابوجعفر الطبری، **جامع البيان في تأويل القرآن**، 254/3.
Abu Jafar Tabarī, Jame al-Bayan fi Taweel al-Qurān, 3/ 454

75 القرآن، سورۃ البقرہ۲: ۱۹۷۔
Al-Qurān, 2:197

مستعمل ہے اور اہل علم اس کی تاویل میں مختلف آراء رکھتے ہیں۔ تو رفث کے تمام معانی یا بعض معانی مراد لیے جائیں بہتر ہیں۔ تمام معانی جو جماع یا اس کی تمہیدات یا اس کی طرف لے جائیں مراد ہیں۔[76]

وَلَا فُسُوْقَ کا معنٰی و مفہوم

امام ماوردیؒ فرماتے ہیں: فسوق میں پانچ اقوال ہیں:

1۔ وہ کام جو ممنوع ہے احرام میں شکار اور بال کاٹنا، ناخن کاٹنا، یہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی رائے ہے۔

2۔ گالی دینا یہ حضرت عطاءؒ اور سریؒ کی رائے ہے۔

3۔ بتوں کے لیے قربانی یہ قول عبدالرحمٰن بن یزیدؒ کا ہے۔

4۔ ایک دوسرے کو برے القاب سے پکارنا۔

5۔ معاصی سب کے سب یہ امام ضحاک کا قول ہے۔[77]

قول راجح

ترجیح پہلے اور پانچویں قول کو دی گئی ہے کہ تمام ممنوعہ اور تمام برائی گناہ کے کام کہ یہ دونوں قول عام ہیں اور تمام اقوال کو محیط ہیں ابن جریرؒ نے بھی اس کو اختیار کیا ہے۔[78]

وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ کا معنٰی و مفہوم

علامہ ماوردیؒ فرماتے ہیں:

1۔ جدال سے بحث مباحثہ کرنا، غضبناک ہونا یہ حضرت ابن مسعود اور مجاہدؒ کی رائے ہے۔

2۔ گالی دینا۔ حضرت ابن عمرؓ اور قتادہؒ کی رائے ہے۔

---

76 ابوجعفر الطبری، **جامع البيان في تأويل القرآن**، 3/470.

Abu Jafar Tabarī, Jame al-Bayan fi Taweel al-Qurān, 3/ 470

77 أبو الحسن علي بن محمد بن محمد بن حبيب البصري الماوردی، **النكت والعيون**، 1/ 259.

Abul Ḥassan Ali bin Muḥammad bin Muḥammad al-Mawardī, Al-Nukat wal Uyun, 1/255

78 ابوجعفر الطبری، **جامع البيان في تأويل القرآن**، 3/ 476.

Abu Jafar Tabarī, Jame al-Bayan fi Taweel al-Qurān, 3/ 476

3-ابن زید نے کہا اس سے مراد اختلاف کرنا اس بات میں کون اپنے باپ دادا کے موقف میں کھڑا ہے۔ کیونکہ عرب کسی اور کے موقف میں وقوف کرتے پھر اس میں اختلاف کرتے۔

4-حج آج ہے یا اگلے مہینے یا کسی اور مہینے جس کو نسی کہا جاتا ہے۔ ابن جریر طبریؒ نے اس قول کو اختیار کیا ہے۔[79]

قول فیصل

ابن جریر نے تمام مضامین کو اختیار کیا ہے اور فرماتے ہیں اصل قطع التنازع یعنی جھگڑا ختم کرنا ہے۔ مناسک حج میں اسی کو علامہ ابن کثیر نے اختیار کیا ہے۔[80]

تکبیرات تشریق اور اقوال ائمہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ[81]

علامہ ماوردیؒ فرماتے ہیں اس آیت میں ایام سے مراد تمام مفسرین کے ہاں ایام منیٰ، مناسک حج کے ایام مراد ہیں، اور تکبیرات مراد ہیں ذکر اللہ سے فرض نمازوں کے بعد اس میں چار اقوال ہیں:

1۔یوم عرفہ کی فجر سے آخر ایام تشریق کی عصر تک یہ صاحبین اور حضرت علیؓ کی رائے ہے۔

2۔یوم عرفہ کی فجر کی نماز کے بعد سے یوم النحر کی صلوٰۃ العصر تک، یہ امام ابو حنیفہؒ اور حضرت ابن مسعودؓ کی رائے ہے

3۔یوم النحر کی ظہر سے آخر ایام تشریق کی عصر تک یہ زید بن ثابت کا قول ہے۔

4۔ تکبیر کہی جائے یوم النحر کی ظہر کی نماز کے بعد سے ایام تشریق کے آخری دن کی فجر تک۔ یہ حضرت ابن عباس □ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور امام شافعیؒ کی رائے ہے۔[82]

---

79 أبو الحسن علي بن محمد بن محمد بن حبيب البصري الماوردى، **النكت والعيون**، ١/260.

Abul Ḥassan Ali bin Muḥammad bin Muḥammad al-Mawardī, Al-Nukat wal Uyun, 1/255

80 حافظ عماد الدين، **تفسير القرآن العظيم**، 383/3.

Hafiz Ammad din ibn e Kathir, Tafseer al –Qurān al-Azeem, 3/383

81 القرآن، سورۃ البقرہ۲: ۲۰۳۔

Al-Qurān, 2:203

82 أبو الحسن علي بن محمد بن محمد بن حبيب البصري الماوردى، **النكت والعيون**، ١/262

ایامِ معدودات کی بابت قول فیصل

حضرت ابن عباسؓ نے بیان فرمایا اس سے ایام تشریق مراد ہیں اور اس کو حضرت ابو جعفر محمد بن جریر طبریؒ نے نقل کیا ہے اور ترجیح دی ہے۔[83] ان آیات میں یہ حکم دیا جارہا ہے کہ ایام تشریق میں ذکر اللہ کرو، ایک بار تکبیر پڑھنا واجب ہے اور اس سے زائد بار مستحب ہے۔ اور احناف کے اقوال میں سے صاحبین کی رائے پر جو کہ حضرت علیؓ کی رائے ہے اس پر فتویٰ ہے۔ تو ذی الحج کی فجر سے تیرہ ذی الحج کی عصر تک۔

ترجیح

صاحب ھدایہ فرماتے ہیں صحابہ کرامؓ میں بھی یہ مسئلہ مختلف فیہ رہا ہے اور صاحبین کی رائے زیادہ راجح ہے۔ وجہ ترجیح اس قول کی یہ ہے کہ صاحبین کا قول جو حضرت علیؓ کی رائے ہے یہ زیادہ تکبیرات کو شامل ہے۔ کل تیئس نمازیں ہیں اور عبادات میں احوط کو اختیار کرنا چاہیے۔ امام ابو حنیفہؒ نے حضرت ابن مسعودؓ کے قول کو اختیار کیا ہے۔ چونکہ اس میں صاحب ھدایہ فرماتے ہیں تکبیرات کا عدد کم ہے، اور چونکہ بلند آواز سے تکبیر خلاف سنت ہے اس لیے ابن مسعودؓ کا قول لیا۔[84]

امام اعظمؒ نے قول حضرت ابن مسعودؓ تکبیرات کے حوالے سے اختیار کیا ہے کہ تکبیرات کم ہیں اس میں اور تکبیرات تشریق میں حضرات صحابہ میں بھی اختلاف رہا ہے ہے اور حضرت علامہ غلام رسول سعیدیؒ نے بھی صاحب ہدایہ کے اس استدلال کو وہم قرار دیا ہے۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ امام اعظمؒ اقوال صحابہ میں کسی مسئلہ میں اختلاف ہو تو قول ابن مسعودؓ اختیار کرتے ہیں۔ اور حضرت ابن مسعودؓ (حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ) کی بنسبت زیادہ فقیہ ہیں۔[85]

Abul Ḥassan Ali bin Muḥammad bin Muḥammad al-Mawardī, Al-Nukat wal Uyun, 1/262

83 ابوجعفر الطبری، **جامع البيان في تأويل القرآن**، 271/2.

Abu Jafar Tabarī, Jame al-Bayan fi Taweel al-Qurān, 2/ 271

84 برھان الدین مرغینانی، ''الھدایہ''، 175/1۔

Burhan aldin Murghananī, Al-Hadaya, 1/175

85 غلام رسول سعیدی، ''تبیان القرآن''، 745/1۔

Ghulam Rasool Saedī, Tibyan al-Qurān,1/745

علامہ علاؤالدین حصکفیؒ کی رائے

یہ اختلاف جو تکبیرات کے عدد میں ہے اس میں تمام زمانوں اور تمام شہروں میں امام ابو یوسف اور امام محمدؒ کے قول پر عمل ہے۔ اسی پر اعتماد ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔[86] علامہ ابن عابدین شامیؒ اس کی تفصیل میں فرماتے ہیں کہ جب امام اعظم اور صاحبینؒ میں اختلاف ہو قوت دلیل کا اعتبار ہوتا ہے۔ اور یہاں صاحبین کا قول احتیاط پر بھی مبنی ہے اور کثیر بھی ہیں تکبیرات۔

خلاصہ کلام

یہ ہے کہ ان ایام میں ایک سما رہتا ہے سنت ابراہیمی کی یادگار قربانی اور پھر مناسک حج کی ادائیگی ان کے ساتھ کثرت سے نغمہ توحیدی ہو جو کہ عمل کے ساتھ قولاً مزین ہو جائے اور قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَ نُسُكِيْ وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَۙ [87] کا مظہر بن جائے جو مطلوب بھی ہے کہ جس کے حقیقی داعی حضرت ابراہیم خلیل اللہ تھے۔ اور نبی کریم رؤوف رحیم ﷺ جس ملت اور طریق کے داعی تھے: اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا١ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ [88]۔ اور پیروی کیجیے ملت ابراہیمی کی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام مشرک نہ تھے تو صاحبین کا قول کل تئیس نماز کے بعد تکبیر تشریق یہ راجح ہے۔

قیام منیٰ کی مدت میں اضافہ کی بنا پر رمی کا حکم

فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقٰى [89]

''دو دن کی جلدی کرنے والوں پر بھی کوئی گناہ نہیں اور جو پیچھے رہ جائیں اس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔''

---

86 علاؤالدین حصفکی، **رد المحتار**، 562/1.

Ala din Haskafī, Rad al Mukhtar, 1/562

87 القرآن، سورۃ الانعام ۶: 162۔

Al-Qurān, 6:162

88 القرآن، سورۃ النحل ۱۶: ۱۲۳۔

Al-Qurān, 16:123

89 القرآن، سورۃ البقرہ ۲: ۲۰۳۔

Al-Qurān, 2:203

علامہ ماوردیؒ فرماتے ہیں جو ایام منیٰ میں صرف دو یوم دس گیارہ تاریخ کو رکے اور نکل جائے تیرہ کی رمی نہ کرے اس پر کوئی حرج نہیں اور تیرہ کی رمی کرلے جو یعنی تیسرے دن کی رمی کرلے اس پر حرج نہیں۔

فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ کی بابت پانچ اقوال

جس نے جلدی کی اور جس نے تاخیر کی اس پر یعنی دونوں پر کوئی حرج نہیں۔ یہ حضرت عطاء کا قول ہے۔ جس نے دو دن جلدی کی (منیٰ سے نکلنے میں) دو دن میں وہ مغفور ہے، اس پر گناہ نہیں اور جو تاخیر کرے تیسرا دن منیٰ میں گزارے وہ مغفور لہ ہے اس پر حرج نہیں۔ یہ حضرت ابن مسعودؓ کا قول ہے۔ اس پر کوئی حرج نہیں اگر وہ بقیہ عمر گناہ سے بچے یہ ابو لعالیہؒ اور سدیؒ کا قول ہے۔ اس پر گناہ نہیں اگر وہ تیسرے دن منیٰ میں شکار کے قتل سے بچے یہاں تک کہ ایام تشریق گزر جائیں۔ یہ حضرت بن عباسؓ کی رائے ہے۔ اس پر کوئی گناہ نہیں اگر وہ ان سے رکے جن سے ممانعت ہے پس اس کے گذشتہ معاف کردیے جائیں گے گناہ۔ یہ حضرت قتادہؒ کی رائے ہے۔[90]

تحقیق

ابن جریرؒ نے تیسرے اور چوتھے قول کو راجح قرار دیا ہے کہ جو گناہ ہوئے اللہ تعالیٰ اس کے معاف کردے گا اور جو مؤخر ہو تیسرے دن اس پر حرج نہیں۔ وہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہے۔ ابن جریر کے اس قول کو حدیث سے تقویت ملتی ہے:

((مَنْ حَجَّ لِلَّهِ فَلَمْ يَرْفُثْ، وَلَمْ يَفْسُقْ، رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ.))[91]

---

[90] أبو الحسن علي بن محمد بن محمد بن حبيب البصري الماوردى، **النكت والعيون**، ١/ 264.
Abul Ḥassan Ali bin Muḥammad bin Muḥammad al-Mawardī, Al-Nukat wal Uyun, 1/264

[91] محمد بن إسماعيل البخاري، **صحيح البخاري**، كتاب الحج، باب فضل الحج المبرور، رقم الحديث: 1521.
Muḥammad bin Ismail Bukharī, Sahih Bukhari Kitab al-Ḥajj, Bab Fazal al-Haj al-Mabrur, 1/244, H. No 1521

ان روایات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جس نے حج کی حدود کی رعایت کرتے ہوئے جس طرح حکم رب تعالیٰ کا تھا وہ گناہ سے پاک ہو جاتا ہے جس طرح قرآن میں ہے۔ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقٰى اس پر کوئی حرج نہیں جو اپنے حج میں ڈرا یعنی فلا اثم علیہ سے مراد یہ ہے: خارج من ذنوبہ یعنی گناہ سے پاک صاف ہو جاتا ہے۔[92]

ملاجیون حنفیؒ لکھتے ہیں: جو شخص دس گیارہ کو منیٰ میں دو یوم ٹھہرے اس نے دو یوم رمی کی اور تیسرے دن نہیں کی اس پر کوئی حرج نہیں، اور جس نے تاخیر کی تیسرے دن بھی کی اس پر بھی حرج نہیں۔ صاحب ہدایہ نے ذکر کیا ہے امام صاحبؒ کے ہاں یہ جائز ہے کہ وہ طلوع فجر سے قبل چوتھے دن بغیر رمی کے مکہ روانہ ہو جائے اور چوتھے روز فجر منیٰ میں طلوع ہو گی، وہ بغیر رمی کے نہ جائے۔ کیونکہ اصل ہے چوتھے دن کی رمی کر کے جائے۔ نبی ﷺ نے اسی طرح کیا تھا اور چوتھے روز زوال سے قبل کر لی یہ بھی جائز ہے۔ کیونکہ جب وہ رمی ترک کر سکتا ہے تو اس کو وقت سے قبل بھی ادا کر سکتا ہے۔[93]

خلاصہ کلام

اگر باری کا سورج غروب ہوا تو تیرہویں کی رمی کر کے آئے البتہ اب اس کو اجازت ہے زوال سے قبل تیرہویں کی رمی کر لے؛ کیوں کے مزید رمی نہیں ہے۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

92 ابوجعفر الطبری، **جامع البيان في تأويل القرآن**، 567/2.
Abu Jafar Tabarī, Jame al-Bayan fi Taweel al-Qurān, 2/ 567

93 ملاجیون، ''تفسیرات احمدیہ''، ص:99۔
Mulla Aḥmad Jeewan, Yafseerat e Aḥmadia, 99